فہم قرآن کے اصول وضوابط

(مقدمہ فی اصول تفسیر از ابن تیمیہؒ کا اختصاصی مطالعہ)

ڈاکٹر محمد فاروق حیدر*

ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری**

The Quran, the final revelation of Allah Almighty holds a significant status for the guidance of humanity. This demands a meticulous endeavors for its correct understanding. Ibn-e-Taymiah holds a significant status in laying guiding principles towards understanding the Quran. He presents certain principles in his famous book "Muqadammah Fi Usul al-Tafsir". Basic principle for understanding Quran is: determination of rules and regulation and to distinguish between Haqq(حق) and Baatil(باطل). This article presents further elaboration of these two guiding principles laid down by Ibn-e-Taymiah. It further shows that these principles become the foundational idea for the Quranic scholars of our age.

تفسیر وعلوم قرآنیہ کے ساتھ جب دیگر اسلامی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا اس وقت اسلامی سلطنت کی وسعت کے باعث چونکہ عجمی اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں نتیجتاً کئی ایسے فرق منظر عام پر آئے جنہوں نے اپنے عقائد ونظریات کے اثبات کے لئے نصوص سے استدلال کیا لہٰذا تفسیر قرآن میں بہت سے کلامی اور فقہی رجحانات منظر عام پر آئے اور تفسیری اختلافات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس صورت حال میں ضرورت اس امر کی تھی کہ فہم قرآن میں پیش آنے والی ان مشکلات کو حل کیا جائے اور فہم قرآن کے ایسے اصول وقواعد وضع کیے جائیں جس سے حق و باطل میں خط امتیاز کھینچا جا سکے۔اس ضمن میں جو علمی اور تحقیقی کاوشیں کیں گئیں ان میں سے ایک نمایاں کام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا وہ مقدمہ ہے جو انہوں نے تفسیری اصول وقواعد پر تالیف کیا یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو مقدمہ فی اصول التفسیر کے عنوان سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔مختصر ہونے کے باوجود اپنی جامعیت وافادیت کے اعتبار سے اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ مابعد کے مفسرین اور علوم القرآن کے ماہرین نے اس سے خوب استفادہ کیا جیسے ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں، علامہ زرکشی نے البرھان فی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

علوم القرآن، علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن اور ابن عقیلہ نے الزیادۃ والاحسان فی علوم القرآن میں اس مقدمہ سے اخذ و اکتساب کیا۔

ابن تیمیہ نے اپنے اس مقدمہ کے سبب تالیف میں لکھا ہے:

فقد سألتنی بعض الاخوان، ان اکتب له مقدمة تتضمن قواعد کلیة، تعین علی فهم القرآن ومعرفة تفسیره و معانیه، والتمییز فی منقول ذلک ومعقوله بین الحق وانواع الاباطیل، والتنبیه علی الدلیل الفاصل بین الاقاویل، فان الکتب المصنفة فی التفسیر مشحونة بالغث والسمین، والباطل الواضح والحق المبین(۱)

اس اقتباس میں مقدمہ کی تالیف کی جو غرض و غایت بیان کی گئی ہے اس کو دو نکات مین یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔:

۱۔ قرآن مجید کے فہم اور تفسیری قواعد وضوابط کا تعین کرنا۔

۲۔ تفسیر قرآن میں منقول و معقول اور حق و باطل میں فرق کرنا۔

جہاں تک اس مقدمہ کے زمانہ تالیف کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ابن تیمیہ کے معروف شاگرد ابن قیم کے ایک قول سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے یہ مقدمہ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں تالیف کیا۔

ابن قیم نے مدارج السالکین میں لکھا ہے۔

وبعث الی فی آخر عمره قاعدةً فی التفسیر بخطه۔۔۔(۲)

اس عبارت سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ مقدمہ آپ کی زندگی بھر کے مطالعہ کا حاصل اور نچوڑ ہے۔اور حیران کن بات یہ ہے کہ آپ نے یہ مقدمہ محض یادداشت کی بنیاد پر تالیف کیا۔آپ خود لکھتے ہیں

وقد کتبت هذه المقدمة مختصرة بحسب تیسیر اللّٰه تعالیٰ من املاء الفواد، واللّٰه الهادی الی سبیل الرشاد۔ (۳)

ابن تیمیہ نے اپنے اس مقدمہ میں بالکل منفرد انداز میں تفسیری اصول بیان کئے ہیں باقاعدہ ترتیب سے اصول وقواعد بیان نہیں کئے جیسے اصولیین کا منہج ہوتا ہے بلکہ تفسیری اختلافات اور تفسیری مشکلات کو مرکزی موضوع بنا کر اس کے تحت تفسیری اصول وقواعد کی نشاندہی کی یہ مقدمہ کی ایسی انفرادیت ہے جو اصول تفسیر پر لکھی گئی کسی اور تالیف میں نظر نہیں آتی۔اصول تفسیر کے عنوان سے اگر چہ یہ پہلا رسالہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے تفسیری اصول بیان نہیں کیے گئے کیونکہ قرآن مجید کے تفسیری اصولوں کو جس

انداز میں زیر بحث لایا گیا اس کی کل چار نمایاں صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ کتب اصول فقہ ۲۔ کتب علوم القرآن ۳۔ مقدمات کتب تفاسیر

۴۔ کتب اصول تفسیر

لہٰذا اصولیین نے اپنی اپنی کتب میں ایسے اصول بیان کیے ہیں جن سے فہم قرآن میں مدد ملتی ہے۔ فہم قرآن کے اصول وقواعد کی سطح پر آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تفسیر کے ضمن میں حق اور باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچا۔ کسی خاص فقہی مذہب کے اصول وقواعد کی بجائے حفظ دین کے مقاصد کے پیش نظر فہم قرآن کی مشکلات کا حل پیش کیا۔

مقدمہ میں درج ذیل بنیادی مضامین کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

۱۔ نبی کریم ﷺ کی صحابہؓ کو قرآن مجید کے الفاظ ومعانی کی تعلیم

۲۔ تفسیر میں متقدمین کے اختلافات کی نوعیت

۳۔ تفسیر میں متاخرین کے اختلافات کی نوعیت

۴۔ بہترین طریقہ تفسیر۔

مذکورہ بالا تمام عنوانات کے تحت امام صاحب نے تفسیری اصول وکلیات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

امام صاحب نے مقدمہ کے آغاز میں فہم قرآن کی اہمیت کو بیان کیا

وحاجة الامة ماسة الی فهم القرآن الذی هو حبل الله المتین، والذکر الحکیم، والصراط المستقیم، الذی لا تزیغ به الاهوآء ولا تلتبس به الالسن، ولا یخلق عن کثرة التردید ولا تنقضی عجائبه ، ولا یشبع منه العلماء، من قال به صدق ، ومن عمل به أجر، ومن حکم به عدل، ومن دعاالیه هدی الی صراط مستقیم، ومن ترکه من جبار قصمه الله، ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله. (۴)

امت کو قرآن مجید کے فہم کی سخت ضرورت ہے کیونکہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے، ذکر حکیم ہے، صراط مستقیم ہے جس میں نہ ہی خواہشات کوئی کجی پیدا کرسکتی ہیں اور نہ ہی زبانیں کوئی شک ڈال سکتی ہیں۔ بار بار کے دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی اس کے عجائب ختم ہوں گے۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوسکتے جو بھی اس کے مطابق کہتا ہے سچ کہتا ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے اجر پاتا ہے۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا

اس نے عدل کیا اور جو اس کتاب اللہ کی طرف بلاتا ہے وہ صراط مستقیم کی راہ دکھاتا ہے اور جس نے سرکشی میں اسے چھوڑا اللہ نے اسے ہلاک کیا اور جو اسے چھوڑ کر ہدایت کا متلاشی ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا۔

ابن تیمیہ نے رسالہ ھذا کی پہلی بحث کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ نبی کریمؐ کی سنت قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ آپؐ نے اپنے صحابہ کو محض الفاظ قرآنیہ کی تعلیم نہیں دی بلکہ معانی قرآن سے بھی آگاہ فرمایا، اس ضمن میں آپ نے کئی نصوص قرآنیہ سے استدلال کیا اور عقلی دلیل سے بھی اس بات کو واضح کیا کہ محض الفاظ کو جان لینا کافی نہیں جب تک کہ اس کے معانی کی معرفت نصیب نہ ہو۔ آپ نے لکھا ہے:

عقل الكلام مستضمن لفهمه، ومن المعلوم أن كل كلام فالمقصود منه فهم معانيه دون مجرد الفاظه، فالقرآن اولى بذلك، وايضاً فالعادة تمنع ان يقرا قوم كتابا فى فن من العلم كالطب والحساب ولا يستشرحوه، فكيف بكلام الله الذى هو عصمتهم وبه نجاتهم وسعادتهم وقيام دينهم ودنياهم.(۵)

یعنی جب عام کلام میں بھی معانی کو چھوڑ کر محض الفاظ پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا تو قرآن مجید جو سب سے اعلیٰ و برتر اللہ کا کلام ہے اس بارے کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کے الفاظ کو تو جان لیا جائے لیکن معانی کا فہم وادراک نہ ہو جبکہ کسی طب یا حساب کی کتاب کو بھی بنا سمجھے پڑھنے سے اس کتاب کی تفہیم ممکن نہیں۔ کتاب اللہ تو پھر ساری انسانیت کے لئے ہدایت ونجات کا واحد منہج ہے۔

مقدمہ کی سب سے اہم بحث متقدمین اور متاخرین کی تفاسیر میں پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت ہے۔ ساری بحث کا جائزہ لینے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مقدمہ کی تالیف کا اصل مقصود ہی یہ بحث تھی جس کی وضاحت میں ابن تیمیہ نے کئی تفسیری اصول وکلیات کی وضاحت فرمائی۔

تفسیر میں متقدمین کے اختلاف کی نوعیت:

سلف کے مابین تفسیری اختلافات کے بارے آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ اختلاف تضاد کی بجائے تنوع کا ہے۔ آپ نے تفسیر کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات اور شکوک وشبہات کو دور کیا کہ ایک ہی آیت کے تحت اس قدر تفسیری اقوال کیوں درج کئے گئے ہیں۔ یہی وہ سوالات اور شکوک وشبہات ہیں جو آج کے جدید ذھن میں بھی پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ برصغیر میں ایک دبستان تفسیر وجود میں آیا جن کا خیال ہے کہ ایک آیت کی ایک ہی تفسیر ہونی چاہئے۔ اس دبستان کے بانی حمید الدین فراہی ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب دلائل النظام کے مقدمہ میں اور اصول تفسیر پر اپنی ایک مستقل کتاب **التکمیل فی اصول**

التاویل میں اس فکر کو پیش کیا:

''قرآن مجید بالکل قطعی الدلالۃ ہے ہر آیت میں مختلف معانی کا احتمال محض ہمارے قلت علم وتدبر کا نتیجہ ہے''۔ (٦)

آپ نے التکمیل میں قدرے سخت انداز میں اسی مضمون کو بیان کیا۔

''اس جان لیوا مرض کی کوئی دواء نہیں ہے سوائے اس کے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور روایات اور مختلف آراء کو کتاب اللہ کی طرف لوٹایا جائے اور ایسا نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمارا اس بات پر یقین نہ ہو کہ قرآن کی کسی آیت کی بس ایک ہی تاویل ہوسکتی ہے''۔ (٧)

لہٰذا آپ کے نزدیک قرآن مجید کی تاویلات ایک سے زائد نہیں ہوسکتی ہیں یہی وہ وجہ ہے کہ آپ نے سلف صالحین میں سے امام طبری، امام زمخشری اور امام رازی پر تنقید کی ہے جنہوں نے نہ تو روایات کی صحت کا التزام کیا اور نہ ہی کسی ایک تاویل کے بیان پر اکتفاء کیا بلکہ آیات کے ضمن میں بہت سے اقوال نقل کر دیئے۔ حالانکہ قرآن قطعی الدلالہ ہے اور اس کی ایک ہی تاویل ہوسکتی ہے۔

ابن تیمیہ کے کئی سو سال بعد اس قسم کے خیالات باقاعدہ ایک فکر بن کر سامنے آئے جن کو ابن تیمیہ نے اپنے اس مقدمہ میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا کہ آیت کے تحت ایک سے زائد تفسیری اقوال کا ہونا تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا۔ آپ نے سلف کے مابین تفسیری اختلاف کو تنوع کا اختلاف قرار دے کر اس کی مختلف صورتیں بیان کیں۔

اختلاف تنوع کی پہلی قسم:

ابن تیمیہ نے تنوع کے اختلاف کی پہلی قسم کی تعریف میں لکھا ہے:

''ان یعبر کل واحد منهم عن المراد بعبارة غیر عبارة صاحبه تدل علی معنی فی المسمی غیر المعنی الاخر مع اتحاد المسمی بمنزلة الاسماء المتکافئة التی بین المترادفة والمتباینة، کما قیل فی اسم السیف والصارم والمهند وذلک مثل اسماء الله الحسنی واسماء رسوله ﷺ واسماء القرآن''. (٨)

یعنی الفاظ کے مختلف ہونے کے باوجود جب ان کا مسمی ایک ہی ہوتا ہے تو یہ حقیقی اختلاف نہیں ہوتا جیسی تلوار کے مختلف نام ہیں یا جیسے اللہ کے اسمائے حسنی یا آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ مزید وضاحت

کے لئے آپ نے درج ذیل آیت کو بطور استشہاد بیان کیا:

((قُلِ ادْعُواْ اللّهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمـنَ أَيّاً مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى)) (۹)

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی بھی نام لیا جائے تو ان سب کا مسمی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہوگی۔

مسئلہ ھذا کی مزید تفہیم کے لئے امام صاحب نے صراط مستقیم کے تحت مختلف تفسیری روایات واقوال نقل کر کے یہ واضح کیا کہ ایک ہی حقیقت کو بیان کر رہے ہیں اور ان سب کا حاصل مقصود ایک ہی ہے جیسے:

۱۔ حبل اللّٰہ المتین والذکر الحکیم

۲۔ الاسلام

۳۔ السنة والجماعة

۴۔ طریق العبودیة

۵۔ طاعة اللّٰہ ورسوله (۱۰)

مذکورہ بالا اقوال میں سے اگر ایک مفسر نے کوئی ایک قول نقل کیا اور دوسرے نے اس کے برعکس کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا تو فی الحقیقت دونوں نے ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کیا بقول امام صاحب یہ تضاد نہیں بلکہ ہر کسی نے ایک صفت کو بیان کیا۔

اختلاف تنوع کی دوسری قسم:

اختلاف کی اس قسم میں بطور تمثیل ایک عام اسم کے بعض انواع کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ سامع کو اس نوع کا علم ہو جائے جبکہ اس عام اسم کی عموم وخصوص کے اعتبار سے تعریف کرنا مقصود نہیں ہوتی۔

مقدمہ میں اختلاف ھذا کی تفہیم کے لئے ایک آیت کو بطور مثال نقل کیا گیا ہے۔

((ثُـمَّ أَوْرَثْـنَـا الْـكِتَـابَ الَّـذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ)) (۱۱)

امام صاحب نے اس آیت کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

فمعلوم أن الظالم لنفسه يتناول: المضيع للواجبات والمنتهک للمحرمات

والمقتصد: يتناول فاعل الواجبات وتارک المحرمات والسابق يدخل فيه: من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات.....ثم ان كلا منهم يذكر هذا فی نوع من انواع الطاعات كقول القائل السابق: الذی يصلی فی اول الوقت، والمقتصد: الذی يصلی فی أثنائه، والظالم لنفسه: الذی يوخراعصر الی الاصفرار او يقول السابق والمقتصد والظالم ذكر هم فی آخر سورة البقرة؛ فانه ذكر المحسن بالصدقة، والظالم بأكل الربا، والعادل بالبيع والناس فی الاموال اما محسن واما عادل واما ظالم؛فالسابق: المحسن بأداء المستحبات مع الواجبات.والظالم: آكل الرباأو مانع الزكاة.والمقتصد: الذی يودی الزكاة المفروضة ولا ياكل الربا. (۱۲)

قرآن مجید میں ایسے بہت سے عام الفاظ ہیں جن میں مختلف النوع معانی کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ آیت قرآنیہ میں استعمال ہونے والے الفاظ ظالم،مقتصد اور سابق کی تفسیر میں جو مختلف انواع بیان کی گئیں ان تمام پر ان تینوں الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے۔مختلف انواع پر مبنی یہ تفسیر تنوع کا ہی اختلاف ہے۔اس قسم میں ایک مفسر اگر کسی ایک نوع کو بیان کرتا ہے جو اس آیت کے عموم میں داخل ہے تو وہ دوسری بیان کردہ نوع سے مختلف ہوسکتی ہے لیکن وہ انواع باہم متضارض ومعارض نہیں ہوتیں۔

اختلاف کی اس قسم میں ابن تیمیہ نے تفسیر قرآن کے ایک اہم مسئلہ سبب نزول سے بحث کی ہے اور اسے تنوع کے اختلاف میں شامل کرتے ہوئے اس ضمن میں کئی اہم قواعد وضوابط بیان کئے جن کی معرفت سے مسئلہ کی تفہیم میں دشواری نہیں رہتی۔سبب نزول کی اہمیت میں آپ نے لکھا:

”معرفة سبب النزول يعين على فهم الاية فان العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب“. (۱۳)

مسئلہ سبب نزول میں بحث کے حاصلات چند نکات میں درج ذیل ہیں۔ (۱۴)

۱۔ سلف صالحین جب آیات کے بارے یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی خاص فرد،قبیلہ یا مشرکین، یہود ونصاریٰ یا مسلمانوں کے کسی خاص گروہ کے بارے نازل ہوئیں تو ایسے اقوال سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ متعلقہ آیات کے احکام انہیں کے ساتھ خاص ہیں۔

۲۔ کتاب اللہ کے عمومات کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے عمومات متعین افراد

کے اشباہ ومثال کے ساتھ خاص ہیں۔

۳۔ سلف کا قول' نزلت هذه الاية فی كذا '' سے مراد کبھی یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے اور کبھی اس قول کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے اگر چہ وہ معاملہ اس آیت کا سبب نزول نہ ہو۔

۴۔ جب ایک ہی آیت کے ایک سے زائد سبب نزول ہوں تو اس سے اختلاف لازم نہیں آتا جب سارے مفہوم اس آیت میں داخل ہوں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سے زائد اسباب کی وجہ(صحابی کا استدلال واستشہاد ہو) یا تکرار نزول کی کوئی صورت ہو۔

اختلاف التنوع کی تیسری قسم:

سلف کی تفسیر میں اختلاف کی ایک قسم کا تعلق اشتراک لفظی سے ہے جو ایک لفظ کے مختلف الوجوہ ہونے کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے۔اس لئے ایک مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ لفظ کی مختلف وجوہ کی معرفت رکھتا ہو۔جبکہ دوسری قسم وہ ہے جس میں ایک لفظ اصالۃ دومعانی کا احتمال رکھتا ہومگر اس سے ایک نوع یا ایک شخص مراد لیا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

ومن التنازع الموجود عنهم مايكون اللفظ فيه محتملا للا مرين، امالكونه مشتركا فی اللغة كلفظ ((قسورة)) (۱۵)الذی مراد به الرامی ويراد به الاسد و لفظ ((عسعس)) (۱٦)الذی يرادبه اقبال الليل وادباره، واما لكونه متراطئا فی الاصل لكن المراد به احد النوعين اواحد الشخصين كا الضمائر فی قوله ((ثم دنا فتدلی فكان قاب قوسين او ادنی)) (۱۷)۔(۱۸)

اختلاف کی پہلی صورت کی مثال آیت قرآنیہ میں استعمال ہونے والا لفظ قسورۃ ہے جو تیرانداز اور شیر دونوں معانی کا محتمل ہے۔

ابن جوزی نے (قسورۃ) کے بارے مختلف اقوال نقل کئے ہیں دونمایاں اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ انه الاسد، رواه يوسف بن مهران عن ابن عباس: وبه قال ابو هريرة و زيد بن اسلم....

۲۔ أن القسوره: الرماة، رواه عطاء عن ابن عباس وبه قال ابو موسی الاشعری، ومجاهد، وقتادة..(۱۹)

اختلاف کی دوسری صورت میں جو آیت بطور مثال نقل کی گئی اس میں بعض مفسرین کے نزدیک ضمائر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت جبرائیل ہیں۔ (۲۰)

علامہ ابن تیمیہ نے اس اختلاف کے بارے واضح کیا کہ ایسی صورت میں سلف کے بیان کردہ تمام معانی مراد لئے جاسکتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ سب معانی کے مراد لینے کا جواز اس لئے ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو پہلی مرتبہ ایک مراد کے لئے اور دوسری مرتبہ دوسری مراد کے لئے اور یا اس وجہ سے کہ لفظ مشترک ہو اور اس کے دونوں معانی مراد لئے جاسکتے ہوں اکثر فقہائے مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور اکثر متکلمین نے اسے جائز مانا ہے یا ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کے معانی میں توافق ہوتا ہے اور وہ عام ہوتا ہے جب تک اس کی تخصیص کا موجب موجود نہ ہو۔ اس صورت میں اگر سلف کے دونوں قول صحیح ہوں تو یہ اختلاف کی دوسری قسم میں شامل ہوگا۔ (۲۱)

اختلاف التنوع کی چوتھی قسم:

اختلاف کی یہ وہ قسم ہے جب مختلف مفسرین آیت کا مفہوم ایسے الفاظ میں بیان کریں جو باہم قریب المعنی ہوں لیکن بالکل مترادف نہ ہوں۔

ابن تیمیہ کا قرآن مجید میں ایسے الفاظ کے بارے میں موقف یہ ہے کہ لغت میں مترادف لفظ بہت ہی کم ہیں اور قرآن مجید میں یا تو معدوم ہیں یا شاذ و نادر ہی ایسے الفاظ ہوں گے۔ اور ایسا کم ہی ہوگا کہ قرآن مجید میں دو لفظ ہم معنی ہوں البتہ قریب المعنی الفاظ ملیں گے جو کہ اعجاز قرآن کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ (۲۲) اس قسم کی عام فہم مثال لاریب کی تفسیر ہے کیونکہ لاریب کی تفسیر لاشک سے کرنا تقریبی تفسیر ہے۔ ریب کے مفہوم میں اضطراب وحرکت داخل ہیں جیسے حدیث میں ہے (**دع ما یریبک الی مالا یریبک**) (۲۳) جس طرح یقین میں سکون اور طمانیت کا مفہوم شامل ہے اسی طرح ریب یقین کی ضد ہے جو اضطراب وحرکت کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ (۲۴)

اختلاف کی مذکورہ بالا اقسام کی وضاحت کے بعد امام صاحب نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ سلف کے مابین تفسیری اختلاف سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ ان کے ہاں احکام میں خفیف اختلاف کو تسلیم کیا ہے۔

تفسیر میں متاخرین کے اختلاف کی نوعیت:

متاخرین کے ہاں تفسیری اختلافات میں شدت سے اضافہ ہوا امام صاحب کے نزدیک متاخرین

میں تفسیری اختلاف کی بنیادی اقسام میں سے ایک منقولات اور دوسری معقولات پر مبنی ہے۔ جہاں تک اختلاف کی ان دونوں اقسام کا تعلق ہے تو اس ضمن میں مقدمہ کی ساری بحث کا خلاصہ (۲۵) یہ ہے کہ:

۱۔ سلف کے بعد تفسیر میں ایک اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ اس میں صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات کو نقل کر دیا گیا لہٰذا روایات کی صحت وعدم صحت کا لحاظ رکھتے ہوئے تفسیر کے ضمن میں ان کا اہتمام کیا جائے اور ایسی روایت جن کی کوئی اصل نہیں ہے ان کو تفسیر میں کوئی جگہ نہ دی جائے۔ اس ضمن میں آپ نے روایت کی صحت کے اصول بیان کئے ہیں جن کا خیال رکھنا مفسر کے لئے بے حد ضروری ہے اور وہ روایات جس کا ذریعہ اہل کتاب ہیں جیسے کعب احبار، وھب اور محمد بن اسحاق وغیرہ کی منقولات جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں تو جب تک انکی صحت پر قطعی دلیل موجود نہ ہو ان منقولات کی نہ تصدیق جائز نہ تکذیب۔

۲۔ تفسیر میں اختلاف کی ایک قسم وہ ہے جس میں علم کا ذریعہ استدلال ہوتا ہے نہ کہ نقل وروایت۔ اس قسم میں زیادہ تر غلطی دو جہتوں سے ہوتی ہے جو صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے بعد کی تفسیروں کی پیداوار ہیں ان تفسیروں میں نہیں جو ان بزرگان سلف کے اقوال سے مرتب ہو جائیں۔ پہلی جہت کی غلطی جو بعد کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے سے اپنے کچھ عقاید ونظریات بنا لیے پھر قرآنی الفاظ کی کھینچ تان کر ان پر منطبق کرنے لگے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی تفسیر محض لغت عرب سے کی ہے اور یہ لحاظ نہیں کیا کہ متکلم کی مراد کیا ہے اور جس پر قرآن نازل ہوا انہوں نے کیا مطلب بیان فرمایا اور وہ لوگ جو قرآن کے اولین مخاطب تھے کیا سمجھے۔ یہ لوگ متکلم قرآن کے مقصد اور سیاق کلام سے غافل رہے جیسے خوارج، روافض، معتزلہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہ جیسے فرقوں کی یہی روش ہے۔

آپ نے صرف نظری بحث نہیں کی بلکہ تفسیری مشکلات اور ان کے حل کے ضمن میں آپ نے جو اصول بیان کئے مختلف تفاسیر پر ان کا اطلاق بھی کیا اور ان تفاسیر کا تعین کیا بطور مثال تفسیری نمونے بھی بیان کئے۔ تفسیر طبری کو انتہائی جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر قرار دیا اور ابن عطیہ اور امام بغوی کی تفاسیر کی بھی مدح فرمائی جبکہ تفسیر کشاف اور اس راہ کی تفاسیر کی خوب مذمت کی۔

بہترین طریقہ تفسیر:

تفسیری اختلاف کے اسباب ونوعیت اور مختلف اقسام سے بحث کرنے کے بعد مقدمہ کے آخر میں صحیح ترین طریقہ تفسیر کے بیان سے مقدمہ کا اختتام کیا گیا۔

تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے اگر اس

میں نہ ملے تو سنت رسولؐ کی روشنی مین تفسیر کی جائے اگر ان دونوں ادلہ میں تفسیر نہ ملے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ مخصوص قرآئن وحالات کے مشاہدے کی وجہ سے وہ قرآن مجید کے معانی ومطالب کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے۔اوراگر قرآن،سنتؐ اوراقوال صحابہؓ سے بھی تفسیر نہ مل سکے تو ایسی صورت میں حضرات تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب کسی تفسیری قول پر تابعین کا اجماع ہوتو بلاشبہ وہ حجت ہے لیکن جب ان میں اختلاف ہوتو ایک تابعی کا قول نہ تو دوسرے تابعی پر حجت ہوگا اور نہ بعد والوں پر بلکہ ایسی صورت میں تفسیر کرتے ہوئے قرآن وسنت کی زبان کو عام لغت عرب کو یا اقوال صحابہ کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ (۲۶)

ابن تیمیہ نے تفسیر کے ان طرق کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور نہ صرف مفسرین صحابہؓ اور تابعینؒ کے طبقات بیان کئے بلکہ ساتھ ساتھ ان کی جلالت علمی اور فہم قرآن میں ان کی بے مثل بصیرت کو دلائل کے ساتھ بیان کیا۔اسی بحث کے دوران اسرائیلیات کے بارے جو منقول تفسیر میں ضعف کا ایک اہم سبب ہے کی نشاندہی کی اور اس بارے صحیح راہ متعین کی۔

”ولکن هذه الاحاديث الاسرائيلية تذكر للا ستشهاد لا للاعتقاد، فانها على ثلاثه اقسام احدها ما علمنا صحته مما بايدينا مما نشهد له بالصدق فذاک صحيح والثانى ما علمنا كذبه بما عندنا مما يخالفه والثالث ماهو مسكوت عنه لا من هذا القبيل ولا من هذا القبيل فلا نؤمن به ولا نكذبه و تجوز حكايته لما تقدم و غالب ذلک مما لا فائدة فيه تعود الى امر دينى ولهذا تختلف علماء اهل الكتاب فى مثل هذا كثيراً ، و ياتى عن المفسرين خلاف بسبب ذلک كما يذكرون فى مثل هذا اسماء اصحاب الكهفؔ (۲۷)

یعنی اسرائیلی روایت کے بارے درج ذیل نکات کا جاننا ضروری ہے تا کہ تفسیر میں اس راہ سے آنے والی ہر گمراہی سے محفوظ رہا جاسکے۔

ا۔اسرائیلیات استشہاد کے لئے روایت کی جاسکتی ہیں مگر اعتقاد کے باب میں ایسی روایات کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ایسی اسرائیلی روایات جن کی صحت ہمارے پاس موجود ہدایت سے معلوم ہے ان کی تصدیق جائز ہے۔

۳۔ایسی روایات جن کا جھوٹا ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہو گی،تکذیب کی جائے گی۔

۴۔ایسی اسرائیلی روایات جن کی ہماری ادلہ شرعیہ سے نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تکذیب ایسی روایات سے استشہاد جائز ہے۔

۵۔اسرائیلیات میں خود اہل کتاب کا باہم اختلاف بھی کافی زیادہ ہے اسی سبب سے مفسرین میں بھی اختلاف واقع ہوا۔

منقول تفسیر کے مختلف طرق کی وضاحت کے بعد تفسیر بالرائے کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جس میں امام صاحب نے تفسیر بالرائے کی ممنوع اور جائز صورتیں بیان کیں اور اس ضمن میں پائے جانے والی ایسی روایات جن سے بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کو دلائل سے رفع فرمایا۔محض رائے سے کی جانے والی تفسیر کو حرام قرار دیتے ہوئے جامع ترمذی سے ایک روایت نقل کی:

((من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد اخطأ)) (۲۸)

اس روایت کی توجیہ میں آپ نے لکھا کہ جو شخص محض اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے تو وہ ایسی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے جس کا اسے کچھ بھی علم نہیں لہٰذا وہ اس راستہ پر چلا جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا۔اب اگر وہ حقیقت میں صحیح تفسیر بھی کرتا ہے تب بھی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس ضمن میں صحیح راستے سے داخل ہی نہیں ہوا۔اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو جہالت کے باوجود لوگوں کے مابین فیصلہ کرے پس اس کا ٹھکانہ آگ ہے چاہے اتفاق سے اس کا فیصلہ فی نفسہ درست ہی کیوں نہ ہو۔(۲۹)

یعنی سلف کے اقوال روشنی میں علم وتحقیق کی بنیاد پر اگر کوئی تفسیر بیان کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور ایسی تفسیر بالرائے کا مرتکب نہیں ہوتا جس کی ممانعت روایت میں بیان ہوئی۔جبکہ بغیر علم وتحقیق کے اور سلف کے اقوال کو نظر انداز کر کے اگر کوئی فرد کسی آیت کی تفسیر بیان کرے اور اتفاق سے وہ درست ہو تب بھی اس نے غلطی کی کیونکہ اس کے اس طریقہ کار کے لئے کوئی جواز نہیں لہٰذا اس حوالے سے وہ ایسی رائے سے تفسیر کرنے والوں میں شامل ہوگا جس کا ٹھکانہ روایات میں جہنم بتایا گیا۔

یہ مقدمہ امام ابن تیمیہ کی ساری زندگی کے مطالعہ کا نچوڑ ہے جس میں آپ نے ایسے تفسیری اصول و ضوابط بیان کئے جس سے نہ صرف تفسیری اختلافات کے اسباب ونوعیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ متاخرین کے مابین تفسیری اختلافات چاہے وہ منقولات کے باب سے ہوں یا معقولات کی راہ سے، کے اسباب ومحرکات کا تعین ہوتا ہے۔مزید برآں یہ واضح ہوتا ہے کہ سلف کے مابین تفسیری اختلاف بہت قلیل ہے اور ان سے جس قدر اختلاف منقول ہے وہ تضاد کا نہیں بلکہ تنوع کا اختلاف ہے۔مقدمہ میں تفسیر کے مصادر

اور طرق کی ایسی وضاحت کی گئی جس کی بنا پر بعد میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کے اصول وضوابط کی باقاعدہ عمارت تعمیر ہوئی۔ تفسیر کے اصول وقواعد پر مشتمل اپنی نوعیت کا یہ پہلا مقدمہ ہے جسے اپنے مابعد کی کتب اصول تفسیر اور امہات کتب علوم القرآن کا اہم ترین ماخذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حوالہ جات وحواشی

١. ابن تیمیه، مقدمة فی اصول التفسیر، لاهور، المکتبة العلمیة، ص ١

٢ ابن قیم، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین، بیروت، دارالکتب العلمیة ۵۲۰/۱

٣. مقدمه ص ٢　　۴. ایضاً ص ۱، ۲　　۵. ایضاً ص ٢

٦ فراهی، حمید الدین، مقدمه تفسیر نظام القرآن، مترجم امین احسن اصلاحی، لاهور، اداره تدبر قرآن و حدیث، ۱۹۹۹، ص۴۴

٧. فراهی، حمید الدین، التکمیل فی اصول التاویل در رسائل الامام الفراهی فی علوم القرآن، اعظم گڑھ، الهند، الدائره الحمیدیه ۲۰۰۵، ص۲۳۰

٨. مقدمه ص ۴　　۹ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۰　　١٠. مقدمه ص ٦

١١ الفاطر ۳۵: ۳۲　　١٢ مقدمه ص ٧، ٨.　　١٣. ایضاً ص۹

١۴ ایضاً ص ۹، ۱۰　　١٥ المدثر ۷۴: ۵١　　١٦ التکویر ٨١: ٧١

١٧ النجم ۵۳: ۹.۸　　١٨ مقدمه ص۱۰

١٩ ابن جوزی، زادالمسیر فی علم التفسیر، بیروت، دارالکتب العلمیة، ۲۰۰۱، ۳۶۲/۴۔

٢٠ ایضاً ۱۸۵/۴　　۲۱۔مقدمه ص۱۰، ۱۱　　۲۲۔ایضاً ص۱۱

۲۳۔جامع الترمذی، کتاب الزهد باب حدیث اعقلها و توکل (۲۵۱۸)۔

۲۴۔ایضاً ص۱۲　　۲۵۔مقدمه ص۱۳ تا ۲۹

۲۶۔تلخیص مقدمہ ص۲۹ تا ۳۵　　۲۷۔ایضاً ص۳۲

۲۸۔جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن عن رسول الله ﷺ باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایه (۲۹۵۰)

۲۹۔مقدمه ص۳۶